سید جمیل احمد رضوی

اعجازِ قرآن

اعجازِ قرآن کے موضوع کو زیرِ بحث لانے سے پہلے ضروری ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ لفظِ "اعجاز" کے معنی کیا ہیں۔ القاموس المحیط میں "عجز" کے ذیل میں لکھا ہے۔ اعجاز باب افعال سے مصدر ہے۔ اس کے معنی دوسرے کو عاجز کرنے اور عاجز پانے کے ہیں۔ معجزہ اس کام کو کہتے ہیں جس کے ذریعے بوقت تحدی مخالف کو عاجز کر دیا جائے۔ اس میں تائے مدورہ برائے مبالغہ ہے[۱]

علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ "معجزہ وہ غیر معمولی چیز ہے جو کسی نبی کو دعوائی نبوت کے ثبوت میں خداوندِ عالم کی جانب سے عطا ہو، جس کے مقابل لانے سے اس کی مخاطب دنیا کی تمام طاقتیں عاجز ہوں[۲]

قرآن حکیم میں اس مقصد کے لیے لفظ معجزہ استعمال نہیں کیا گیا بلکہ آیت اور بیّنہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، اسی کو متکلمین کی اصطلاح میں معجزہ کہا جاتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں ایسی بہت سی آیات ہیں جن میں انبیا کے معجزات کا ذکر موجود ہے اور ان کو آیات اور بینات کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ناقہ صالح کو آیت اور بیّنہ کہا گیا ہے۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (الاعراف، ۷۳)

قبیلہ ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا، انھوں نے کہا: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے "بینہ" آگیا ہے۔ یہ اونٹنی ہے اللہ کی، جو تمھارے

---

[۱] اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ ج ۱/۱۶، ص ۴۷۰

[۲] علی نقی۔ مقدمہ تفسیرِ قرآن۔ ص ۲۳

لیے آیت (نشانی) ہے۔ اس کو چھوڑ دو کہ یہ خدا کی زمین میں اپنی غذا حاصل کرے اور تم اُسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا جس سے تم دردناک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ۔

قرآن میں عصائے موسیٰ اور ید بیضا کے لیے بھی یہی الفاظ آتے ہیں:

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ صلے وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ (الاعراف: ۱۰۶-۱۰۸)

فرعون نے کہا (اچھا) تو تم اگر (اپنے دعوے میں) سچے ہو اور واقعی کوئی معجزہ لے کر آئے ہو تو لاؤ (دکھاؤ بس ہم بھی دیکھتے ہیں) موسیٰ نے اپنی چھڑی (زمین پر) ڈال دی۔ پھر تو یکایک وہ ایک صریحی اژدہا بن گئی اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ہر شخص کی نظر میں جگمگا رہا ہے۔

معجزات کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا اور انھیں معجزات عطا کر کے بھیجا۔ ان کی ضرورت کیوں پیش آتی تھی؟ دراصل معجزات نبوت و رسالت کی صحت پر دلالت کے طور پر عطا کیے جاتے تھے تاکہ خدا کا فرستادہ پیغمبر اپنی صداقت و حقانیت کو ثابت کر سکے اور اپنے آپ کو ان سے ممیز کر سکے جو اسی قسم کا جھوٹا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

تفسیر المیزان میں لکھا ہے کہ جب انبیا علیہم السلام اپنی دعوت کا برملا اعلان کرتے تھے، تو کبھی ان سے معجزہ لانے کا مطالبہ کیا جاتا تھا تو وہ لاتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگوں کے مطالبے سے پہلے ہی وہ معجزہ لاتے تھے۔ حقائق دینیہ مثلاً مبدا و معاد کے امور کی صحت کے لیے معجزات کا صدور نہیں ہوا۔ انبیا دینی حقائق کے اثبات کے لیے معجزات لے کر نہیں آئے، بلکہ اس کے لیے انھوں نے عقلی دلیل پر اکتفا کیا، لیکن معجزات کا لانا رسالت و نبوت کی صداقت و حقانیت پر دلیل کے طور پر تھا۔[۵۳]

انبیا اور رسل اپنی نبوت و رسالت کی صحت کے اثبات میں معجزات کیوں لاتے تھے؟ اگر اس پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب وہ وحی کے ساتھ رسالت کا دعویٰ کرتے تھے اور وحی سے

---

۵۳ محمد حسین الطباطبائی۔ الاعجاز فی القرآن الکریم، عرض و تلخیص حسین الکورانی۔ الہادی (مجلہ)۔ ج ۳، شمارہ ۱، ص ۷۸-۸۰

مراد اللہ سے ہم کلام ہونا یا فرشتے کا نزول ہے۔۔۔ تو اُن کی قومیں ان کا دعویٰ تسلیم کرنے سے انکار کرتی تھیں، کیونکہ یہ دعوے معمول کے نہ تھے۔ اگر یہ دعوے میں سچے ہیں تو انھیں ان لوگوں کی نسبت معمولات سے زیادہ تصرف حاصل ہونا چاہیے جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے ہیں[۵۴]

پھر عام لوگوں اور ان کے درمیان کیا فرق ہے؟ لوگوں کا جھگڑا اور نزاع دو طرح کا تھا:
اوّلاً وہ ان سے اس بنا پر جھگڑتے تھے کہ وہ ان کی مانند ہیں۔ اس کے بارے میں ہم قرآن کی چند آیات پیش کرتے ہیں:

قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ط تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (ابراہیم: ۱۰)

یعنی وہ لوگ بول اُٹھے کہ تم بھی بس ہمارے ہی جیسے آدمی ہو، تم یہ چاہتے ہو کہ جن معبودوں کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے، ہم کو ان سے باز رکھو۔

سورہ صٓ میں اسی بات کی جانب اشارہ کیا گیا:

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا (ص: ۸)

یعنی کیا ہم سب لوگوں میں بس (محمدؐ) ہی اس قابل تھا کہ اس پر قرآن نازل ہوا۔

کافروں کی اس سے مراد یہ تھی کہ انبیا اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں تو پھر ذکر اور وحی کے ساتھ ان کو خصوصیت کیسے حاصل ہوگئی۔ انبیا کا جواب ہم قرآن کی زبان میں سنتے ہیں:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط (ابراہیم: ۱۱)

ان کے پیغمبروں نے اُن کے جواب میں کہا کہ اس میں شک نہیں کہ ہم بھی تمھارے ہی جیسے آدمی ہیں مگر خدا اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے اپنا فضل (و کرم) کرتا ہے (اور رسالت عطا فرماتا ہے)

انبیا نے جواب میں مماثلت کو تسلیم کیا، لیکن اختصاص کی نفی نہیں کی۔ انبیا بھی بشر ہیں اور ان کی قومیں بھی بشر، لیکن یہ مماثلت اس بات کی نفی نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، چن لیتا ہے اور نبوت و رسالت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے[۵۵]

---

۵۴ محمد حسین الطباطبائی۔ الاعجاز فی القرآن الکریم۔ عرض و تلخیص حسین الکورانی۔ الہادی (مجلہ)۔ ج ۳، شمارہ ۱، ص ۷۸۔۸۰۔

۵۵ ایضاً

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب رسول دعویٰ (رسالت) کرتا تھا تو لوگ اس سے دلیل و برہان طلب کرتے تھے اور یہ طریقہ طبعی اور منطقی تھا۔ نبوت ایک خارقِ عادت امر ہے اور جب تک لوگ اس دعوے کی صحت میں شک کرتے رہیں، تو اس میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک اور خارقِ عادت امر (معجزہ) لائے اور وہ دعوائے نبوت پر دلیل ہو۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ مدعیِ نبوت کی اس دعوے میں تصدیق ہو جاتی ہے [۵٦] درحقیقت نبوت و رسالت ایک خداوندی منصب اور روحانی عہدہ ہے جو اپنی واقعی حقیقت کے اعتبار سے ایک روحانی اقتدار، فرماں روائی اور سیادت کا رشتہ رکھتا ہے۔[۵۷]

انبیا کے معجزات

ہر نبی اور رسول کو حالات کے مطابق معجزات دیے گئے اور وہ اس زمانے میں جو شے درجۂ کمال پر ہوتی تھی، اس کو شکست دے کر اپنا لوہا منوا لیتے تھے۔ اس طرح اس فن کے ماہر سمجھ لیتے تھے کہ صاحبِ معجزہ فرستادۂ خدا ہے اور وہ سب سے پہلے اس کی تصدیق کرتے تھے۔ اس کا اثر دوسرے لوگوں پر ہوتا تھا اور وہ بھی ان پر ایمان لے آتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگروں کا زور تھا۔ سرزمینِ مصر ان کے وجود سے معمور تھی۔ چنانچہ آپ کو عصا اور ید بیضا کے معجزے دیے گئے جنھوں نے جادو کا زور توڑ دیا اور جادوگر فوراً موسیٰ و ہارون کے رب پر ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں علمِ طب کو بڑا کمال حاصل تھا، چنانچہ انھیں ایسے معجزے دیے گئے جن سے اطبائے حاذق عاجز آ گئے۔ دمِ عیسیٰ مشہورِ عالم ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردے کو زندہ کرتے تھے اور پرندے کے قالب پر دم کرتے تھے تو وہ زندہ ہو کر اُڑ جاتا تھا، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے۔ یہ ایسی باتیں تھیں جو علمِ طب کے ماہر نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ محسوسات کے معجزے بھی دیے گئے، مثلاً شقِ قمر اور سنگ ریزوں کا آپ کے دستِ مبارک پر تسبیحِ خدا پڑھنا۔ چوں کہ آپ کے زمانے میں فصاحت و بلاغت کو

---

[۵٦] محمد حسین الطباطبائی۔ الاعجاز فی القرآن الکریم، عرض و تلخیص حسین الکورانی۔ الہادی (مجلہ)، ج ۳، شمارہ ۱۔ ص ۷۸-۸۰۔

[۵۷] علی نقی ۔ مقدمہ تفسیر قرآن، ص ۲۴۔

بڑا کمال حاصل تھا، اس لیے آنحضرت کو عالمِ معقولات و معنویات کا بھی ایک ایسا معجزہ عطا کیا گیا جس کو قرآن کہتے ہیں، جن لوگوں کو اپنی زبان، ادب اور شاعری پر ناز تھا، وہ کلام اللہ کے نازل ہونے سے انگشت بدنداں رہ گئے اور ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے۔

جاہلیت میں شعروشاعری کی عظمت

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ جس معاشرے سے قرآن نے براہِ راست خطاب کیا اور جس کے سامنے پہلے پہل اعجاز کی شان لیے ہوئے پیش ہوا، اس میں فصاحت و بلاغت اور شعروشاعری کی کیا قدروقیمت تھی۔ تاریخ ادبیات کے حوالے سے اس کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عربی ادب کی تاریخ سے چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں، جن سے بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ دورِ جاہلیت میں فصیح و بلیغ کلام کو کیا مقام حاصل تھا۔

ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں کہ عرب میں جب کوئی شاعر ظاہر ہوتا تھا تو بڑی خوشی منائی جاتی تھی، جشن ہوتے تھے۔ ہر طرف سے یار و احباب، اعزہ و اقربا مبارک باد دینے آتے تھے۔ قبیلے کی عزت و شان دفعتہً بلند ہوجاتی تھی۔ ایک ایک شعر ایک قبیلے یا ایک شخص کا نام ہمیشہ کے لیے زندہ کردیتا تھا۔ جب شمّاخ بن ضرار نے عُرابہ اوسی کی شان میں یہ شعر کہا:

اذا ما رایۃٌ رفعت المجد تلقّاھا عُرابۃُ بالیمین

یعنی جب عظمت و بزرگی کا جھنڈا کہیں بلند کیا جاتا ہے تو عُرابہ اس کو داہنے ہاتھ میں تھام لیتا ہے۔

تو عُرابہ کا نام تمام عرب میں مشہور ہوگیا اور آج تک یہ مصرع ضرب المثل ہے۔

مُحلّق عرب میں ایک گمنام اور غریب شخص تھا، اس کی تین بیٹیاں تھیں جن کو شوہر نہیں ملتا تھا۔ اتفاق سے اعشیٰ کہیں اس طرف آنکلا، محلق کی بیوی کو جو اس کی خبر پہنچی تو شوہر سے کہا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس کی یہ مدح کردیتا ہے، وہ تمام ملک میں مشہور ہوجاتا ہے۔ محلق نے اس موقع کو غنیمت جان کر فوراً اس کی دعوت کردی اور خوب خاطر و مدارات کی۔ اعشیٰ نے محلق کی اولاد کا حال دریافت کیا۔ محلق نے کہا کہ تین لڑکیاں جوان ہوگئی ہیں، مگر بر نصیب نہیں ہوتا۔ اعشیٰ نے کہا کہ اچھا ہم اس کی کچھ فکر کریں گے، تم اطمینان رکھو۔ جب سوقِ عُکاظ کا وقت آیا تو اعشیٰ نے مجمع عام میں ایک قصیدہ محلق کی مدح میں پڑھا، جس کا مطلع یہ تھا:

ارقت وما ھذا السھاد المؤرّق وما بی من سقم وما بی معشق

یعنی میں رات بھر بیدار رہا اور میری یہ بیداری اس آدمی کی طرح نہیں جو بیدار رہنے کا عادی ہو۔ نہ مجھے کوئی مرض ہے اور نہ میں دامِ عشق میں گرفتار ہوں۔

قصیدہ ختم ہونے نہیں پایا تھا کہ محلق کے اردگرد لوگ جمع ہوگئے اور اس کی تعظیم و تکریم کرنے لگے۔ شرفائے عرب نے آکر لڑکیوں سے شادی کے پیغام دیے اور وہ جلد ہی معزز خاندانوں میں بیاہی گئیں۔[۵۹]

ان واقعات سے اچھی طرح اندازہ ہوجاتا ہے کہ عرب کے اس معاشرے میں شعر و شاعری کو کیا مقام حاصل تھا۔ فصیح و بلیغ کلام کو اس وقت کے نظامِ ابلاغ میں بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ اس پر فخر کیا جاتا تھا۔ ایسے معاشرے میں جب آنحضرتؐ اپنی بعثت کا اعلان فرماتے ہیں تو ایسے کلام کی ضرورت تھی جو انسانی نہ ہو بلکہ الہامی ہو، جو کسی بشر کا کلام نہ ہو بلکہ اللہ کا کلام ہو اور جب خاتم النبیینؐ نے قرآن کو اپنی رسالت کی تصدیق کے لیے معجزے کی شان سے پیش کیا، تو تمام فصحائے عرب کی زبانیں گنگ ہوگئیں اور ان پر سکتہ طاری ہوگیا۔ وہ لوگ جو شاعری کو اپنی کنیز سمجھتے تھے، زبان دانی پر ناز کرتے تھے، غیر عرب کو کلام کے میدان میں درخورِ اعتنا نہ جانتے تھے، وہ قرآنِ مجید کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے۔ فصاحت و بلاغت کے میدان میں سبقت لے جانے والوں نے غور و فکر کیا اور آخر انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ "ما ھذا الکلام البشر" کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔

اصمعی کی حکایت

کلام اللہ کی عظمت کا کیا کہنا کہ اس میں الفاظ کا استعمال موقع و محل کے اعتبار سے اس قدر موزوں ہے کہ اگر ایک لفظ بھی اپنے مقام سے اِدھر اُدھر ہو جائے تو فوراً معلوم ہو جاتا ہے، چنانچہ اصمعی جو کہ عربی ادب میں بہت بڑا ادیب اور ماہرِ زبان گزرا ہے وہ بیان کرتا ہے کہ ایک جنگل میں میرا گزر ہوا اور ایک عرب صحرائی سے میری ملاقات ہوئی، کچھ کلامِ خدا کا تذکرہ آیا۔ اس نے کہا کچھ قرآن یاد ہو تو پڑھو۔ میں نے آیتِ سرقہ کو اس طرح پڑھا "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" اس نے کہا: ھذا الکلام من؟ یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے

---

[۵۹] زبید احمد۔ ادب العرب۔ ص ۱۲۷، ۱۲۸

کہا: خدا کا۔ اس نے کہا کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے۔ میں نے جو خیال کیا تو یاد آیا کہ غفور رحیم کی بجائے عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ہے۔ پھر میں نے اس طرح پڑھا: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ (المائدہ: ۳۸) یہ سن کر اس عرب نے کہا، ہاں! یہ خدا کا کلام ہے۔ اصمعی نے پوچھا کیوں کر تجھے معلوم ہوا کہ پہلا کلام خدا کا نہ تھا اور یہ کلام خدا کا ہے؟ اس نے کہا کہ اگر غفور رحیم یہاں ہوتا، تو پھر ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ اور جب ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، تو معلوم ہوا کہ وہ عزیز یعنی غالب اور حکیم یعنی صاحبِ حکمت ہے۔[۱۰]

اعجازِ قرآن کے بارے میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ وجوہِ اعجاز کو بیان کیا گیا ہے۔ اس مضمون کا دامن اتنا وسیع نہیں کہ ان سب کو زیرِ بحث لایا جائے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اعجازِ قرآن کے ذیل میں وجوہِ اعجاز میں فصاحت و بلاغت، ندرتِ اسلوب، پیشین گوئیاں، امم سابقہ کے حالات، قوتِ تاثیر، بقا و ثبات (قرآن ابد الآباد تک باقی رہنے والا ہے)، لذتِ تکرار، دعائیہ کلمات کی سحر آفرینی اور نظم و تالیف کا ذکر کیا ہے۔[۱۱] یہاں اعجاز کے چند پہلوؤں کو بیان کیا جاتا ہے۔ سید محمد حسین الطباطبائی قمی کی تفسیر المیزان میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ رسالہ "الہادی" کے حوالے سے اس تفسیر سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن میں بہت سی مکی اور مدنی آیات ہیں جو بتاتی ہیں کہ قرآن ایک معجزہ ہے، آیت ہے، خارقِ عادت ہے۔ یہ آیات قرآن کے اعجاز کو ثابت کرتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت ثابت ہوتی ہے۔

یہ آیات دعوتِ مقابلہ دیتی ہیں۔ یہ دعوت عام بھی ہے اور خاص بھی۔ ان میں سے سب سے زیادہ عام دعوت اس آیت میں موجود ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۸۸)

---

[۱۰] محمد مہدی۔ لواعج الاحزان۔ جلد ۲، ص ۹۶

[۱۱] تفصیل کے لیے دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱/۱۶

(یعنی اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ اگر (سارے دنیا جہان کے) آدمی اور جن اس بات پر اکٹھے ہوں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں تو اس کے برابر نہیں لا سکتے، اگرچہ (اس کوشش میں) ایک کا ایک مددگار بھی بنے۔"

اس آیت سے وضاحت ہوتی ہے کہ اعجازِ قرآن کسی خاص رُخ یا پہلو سے نہیں بلکہ قرآن سب کا سب اپنے وجود کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ اگر مقابلہ صرف فصاحت و بلاغت اور اسلوب کا ہوتا، تو دعوت مقابلہ دورِ جاہلی کے عربوں کو دی جاتی۔ عام دعوتِ مقابلہ سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ہر بلیغ کے لیے اس کی بلاغت معجزہ ہے ... کسی حکیم کے لیے اس کی حکمت معجزہ ہے ... جب مقابلے کی دعوت تمام "عالمین" کے لیے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن تمام جہات سے اعجاز کا دعویٰ کرتا ہے اور تمام انسانوں اور جنوں سے کہتا ہے کہ اگر ان میں مقابلے کی سکت ہے تو وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اور جو کچھ اس میں موجود ہے اس کا مقابلہ کریں اور اس کی مثل لائیں۔[۲۱]

(ا) علم کے ساتھ دعوتِ مقابلہ

قرآنِ حکیم تمام باتوں کے ساتھ ساتھ علم و معرفت کے ساتھ مقابلہ کرنے کی دعوت دیتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل: ۸۹)

اور ہم نے تم پر کتاب (قرآن) نازل کی جس میں ہر چیز کا (شافی) بیان ہے۔

قرآن میں اس موضوع پر اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ مقابلے کی دعوت صرف دلیل ہی سے نہیں، بلکہ اس میں ہر ضروری چیز کے بارے میں اللہ کا حکم موجود ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت ہر لحاظ سے کامل ہے ــــ اسلامی تشریع اور قانون کی بنیاد فطرت، توحید اور نفسِ انسانی کے اخلاقِ فاضلہ پر رکھی گئی ہے اور یہ امور ہر حال میں ثابت رہتے ہیں۔ تغیر و تبدل ہرگز ان سے تعرض نہیں کرتے۔ الٰہی قانون (تشریع اسلامی) کے دوام اور انسانی قانون کے تغیر و تحوّل میں یہی راز ہے۔[۲۲]

(ب) نبیِ امی کے ساتھ دعوتِ مقابلہ

جس طرح قرآن، علم کے ساتھ دعوتِ معارضہ دیتا ہے، اسی طرح نبیِ امی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے مقابلے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ پیغمبرؐ جو لفظی اور معنوی لحاظ سے عاجز کر دینے والا قرآن لے کر آئے، اس

---

[۲۱] محمد حسین الطباطبائی۔ الاعجاز فی القرآن الکریم، عرض تلخیص حسین الکورانی۔ الہادی (مجلہ) ج ۲، شمارہ ۴، ص ۱۱۶-۱۱۹ [۲۲] ایضاً

کے باوصف کہ انھوں نے کسی سے علم حاصل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے تحدی اور دعوتِ مقابلہ ہے:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یونس ۱۶)

(اے رسولؐ!) کہہ دو کہ اگر خدا چاہتا تو میں نہ تمھارے سامنے اس کو پڑھتا اور نہ وہ تمھیں اس سے آگاہ کرتا، کیونکہ میں تو (آخر) تم میں اس سے پہلے مدتوں رہ چکا ہوں۔ تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے"[۱۱۴]

اس ماحول میں آپ نے چالیس برس گزارے، وہ ماحول جس میں علم وعرفان کا چرچا نہ تھا۔ تعلیم وتعلم کے باقاعدہ ادارے نہ تھے۔ اطلاع (Information) کی نشرواشاعت کا سازوسامان نہ تھا۔ ابلاغ عامہ (Mass Communication) کے لیے جدید دور کی سہولتیں نہ تھیں۔ اس دور کے عرب کی تصویر کشی حالی نے اپنی مسدس میں اس طرح کی ہے:

عرب جس کا چرچا ہے یہ، کچھ وہ کیا تھا — جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانہ سے پیوند جس کا جدا تھا — نہ کشورستاں تھا نہ کشور کشا تھا
تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایہ
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا[۱۱۵]

ایسے معاشرے میں وہ نبی اُمّیؐ جو کسی سے کچھ تعلیم نہ پائے، کسی کے آگے زانوئے ادب تہہ نہ کرے، کسی کو استاد نہ بنائے۔ پھر ایسی کتاب لائے اور ایسا کلام سنائے جو کل علوم و فنون کے اصول کو حاوی ہو، انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی کل ضروریات کا ضامن اور کفیل ہو۔ جب اس نے مخلوق سے نہیں سیکھا، تو یہ جو کچھ لایا، بلاشبہ خالق کا کلام ہے[۱۱۶] جب اللہ کا کلام زبانِ رسالت پر جاری ہوا تو اس نے تمام زمینِ عرب کو ہلا کر رکھ دیا۔

---

۱۱۴ محمد حسین الطباطبائی۔ الاعجاز فی القرآن الکریم۔ عرض وتلخیص حسین الکورانی۔ الہادی (مجلہ)، ج ۲، شمارہ ۴، ص ۱۱۶-۱۱۹

۱۱۵ حالی، الطاف حسین۔ مسدس، ص ۱۳

۱۱۶ محمد سبطین۔ جواہر القرآن۔ البرہان۔ جلد ۱۵، شمارہ ۱ (۱۵ دسمبر ۱۹۳۵) ص ۶

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگادی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی

پڑا ہر طرف یہ غُل پیغامِ حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نامِ حق سے[۱۷]

آپ آواز بلند کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم میں سکت ہے تو قرآن کی مثل ایک سورت بنا کر لے آؤ۔ کسی میں ہمت نہیں پڑتی کہ وہ دعوتِ مقابلہ کو قبول کرے۔ فصحائے عرب کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ دعوتِ مقابلہ کی آواز اطرافِ عالم میں پھیل جاتی ہے، لیکن کوئی شخص مقابلے کی جرأت نہیں کرتا۔

(ج) غیب کے ساتھ دعوتِ مقابلہ

قرآن غیب کی خبروں کے ساتھ مقابلے کی دعوت دیتا ہے۔ اس بارے میں بہت سی آیات ہیں۔ بعض کا تعلق تو ماضی سے ہے اور بعض کا تعلق مستقبل سے۔ جو ماضی سے متعلق ہیں، ان میں سے چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔

حضرت نوحؑ کے قصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشادِ ربانی ہے:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ (ہود: ۴۹)

(اے رسولؐ) یہ غیب کی چند خبریں ہیں جن کو ہم تمہاری طرف وحی کے ذریعے سے پہنچاتے ہیں جو اس کے قبل نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم ہی جانتی تھی۔

حضرت یوسف کے قصے کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کا ارشاد ہے:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ (یوسف: ۱۰۲)

(اے رسولؐ) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تمہارے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجتے ہیں۔

---

۱۷ ۔۔۔ حسین۔ مسدس، ص ۱۷

ورنہ جس وقت یوسف کے بھائی باہم اپنے کام کا مشورہ کر رہے تھے اور (ہلاک کی) تدبیریں کر رہے تھے، تو تم ان کے پاس موجود نہ تھے۔

حضرت مریم کی کفالت کا فیصلہ ہو رہا ہے۔ قرآن اس کو اس طرح بیان کرتا ہے:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ (آل عمران: ۴۴)

(اے رسولؐ) یہ خبر غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تمہارے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجتے ہیں۔ (اے رسولؐ) تم تو ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ لوگ اپنا اپنا قلم (دریا میں بطور قرعہ) ڈال رہے تھے (دیکھیں) کون مریم کا کفیل بنتا ہے اور نہ تم اس وقت ان کے پاس موجود تھے جب وہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

حضرت عیسٰی کا قصہ بیان کرنے کے بعد اللہ کا ارشاد ہوتا ہے:

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ (مریم: ۳۴)

یہ ہے مریم کے بیٹے عیسٰی کا سچا سچا قصہ جس میں یہ لوگ (خواہ مخواہ) شک کیا کرتے ہیں۔

اور وہ آیات جن کا تعلق مستقبل سے ہے، ان میں سے چند یہ ہیں: اہلِ روم کے غلبے کی بشارت ان الفاظ میں دی گئی:

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ (الروم: ۲-۴)

بہت قریب کے ملک میں رومی (نصاریٰ اہلِ فارس آتش پرستوں سے) ہار گئے۔ مگر یہ لوگ عنقریب ہی اپنے ہار جانے کے بعد چند سالوں میں پھر (اہلِ فارس) پر غالب آجائیں گے۔

اس پیش گوئی کے مطابق صرف چند ہی سال میں رومی سلطنت ایران پر غالب آگئی۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول جس میں آپ کا مدینے سے مکے کی طرف مراجعت کرنے کا ذکر ہے:

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ (القصص: ۸۵)

(اے رسولؐ) خدا جس نے تم پر قرآن نازل کیا، ضرور ٹھکانے تک پہنچا دے گا۔

بعض اس سے مراد فتح مکہ کی پیش گوئی لیتے ہیں اور بعض اس سے مراد رسولِ خدا کے عالی درجات لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ لا مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لا
لَا تَخَافُونَ ط (الفتح : ۲۷)

تم لوگ مسجد حرام میں، اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کترا کر بہت امن و اطمینان سے داخل ہو گے۔

اور خداوند عالم کا یہ فرمان :

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ج (الفتح : ۱۵)

اب تم لوگ غنیمتوں کو لینے جانے لگو گے تو جو لوگ (حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے تھے، تم سے کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول :

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط (المائدہ : ۶۷)

خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

ان کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جن میں اہل ایمان سے وعدہ کیا گیا ہے اور مشرکوں سے وعید۔ اگر ہم ان سب کو بیان کریں تو کلام بہت طویل ہو جائے گا۔

اس بارے میں کچھ ایسی آیات بھی ہیں جو بعض دیگر حقائق پر مشتمل ہیں۔ یہ حقائق ماضی میں معروف نہ تھے۔ مثلاً قرآن حکیم کا یہ کہنا :

وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ (الحجر : ۲۲)

اور ہم ہی نے تو وہ ہوائیں بھیجیں جو بادلوں کو پانی سے بھرے ہوئے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ ۝ الحجر : ۱۹)

اور ہم ہی نے اس (زمین) میں ہر قسم کی مناسب چیز اگائی۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد :

وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ۝ (النبا : ۷)

اور کیا ہم نے پہاڑوں کو زمین کی میخیں نہیں بنایا۔

المختصر قرآن غیب کی خبروں کے ساتھ مقابلے کی دعوت دیتا ہے [۵۱۸]

۵۱۸۔ محمد حسین الطباطبائی۔ الاعجاز فی القرآن الکریم۔ عرض و تلخیص حسین الکورانی ۔ الہادی (مجلہ)، ج ۳، شمارہ ۴، ص ۱۲۰۔۱۲۲

(د) عدمِ اختلاف کے ساتھ دعوتِ مقابلہ

قرآن مختلف اقساط میں نازل ہوتا رہا۔ سورہ، قطعہ اور آیت کی صورت میں ــــ تقریباً تئیس برسوں میں اور مختلف حالات میں نازل ہوتا رہا۔ جنگ اور صلح میں، تنگی اور فراخی کے ایام میں، امن اور خوف کے دنوں میں، رات اور دن میں، سفر اور حضر میں، مکے اور مدینے میں ــــ ہاں! قرآن مختلف اوقات اور مختلف حالات میں نازل ہوتا رہا اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف علوم کو بیان کرتا رہا، لیکن اس میں نہ تو تناقض رونما ہوا اور نہ کہیں معمولی سا اختلاف۔

ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے، ایک حصہ دوسرے حصے کی وضاحت کرتا ہے۔ ایک جملہ دوسرے جملے کی تصدیق کرتا ہے۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ینطق بعضُہٗ ببعضٍ ویشھدُ بعضہ علی بعض (نہج البلاغۃ)

اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں تناقض اور اختلاف پایا جاتا۔ انسان کی طبیعت ان مصائب و آلام کی وجہ سے جو اس پر گزرتے ہیں، ضرور متاثر ہوتی ہے اور اس کا اسلوب ان حالات کی وجہ سے بدلتا ہے، اس میں تغیر رونما ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے استدلال کی قوت اور بات کرنے کا لہجہ بھی بدلتا رہتا ہے۔

ان میں سے کوئی چیز بھی ہم قرآن میں نہیں پاتے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ قرآن کے وقت ایسی ایسی مشکلات سے گزرے جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کو برداشت ہی کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ○

(النساء: ۸۲)

کیا یہ لوگ قرآن میں بھی غور نہیں کرتے (اور یہ خیال نہیں کرتے کہ) اگر خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے (آیا) ہوتا، تو ضرور اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

اسی طرح قرآن تمام صراحت کے ساتھ دعوت دیتا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا دعوتِ مقابلہ کو خاموشی کے ساتھ قبول کر لیا گیا یا اس کی تکذیب کرنے کے لیے کوششیں ہوئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو اس سلسلے میں کوششیں ہوئیں، وہ خود تضاد اور اختلاف کی نظر ہو گئیں۔[۱۹]

(ھ) بلاغت کے ساتھ دعوتِ مقابلہ

اسی طرح قرآن فصاحت و بلاغت کے ساتھ مقابلے کی دعوت دیتا ہے:

۱۔ اَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (ہود: ۱۳-۱۴)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص (پیغمبر) نے اس (قرآن) کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، تو تم (ان سے صاف صاف کہہ دو کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو (زیادہ نہیں) ایسے دس سورے اپنی طرف سے گھڑ کر لے آؤ اور خدا کے سوا جس جس کو تمھیں بلانے بن پڑے، مدد کے واسطے بلا لو۔ اس پر اگر وہ تمھاری نہ سنیں تو تم سمجھ لو کہ یہ (قرآن) صرف خدا کے علم سے نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم اب بھی اسلام لاؤ گے (یا نہیں)

۲۔ اَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ (یونس ۳۸، ۳۹)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کو رسولؐ نے جھوٹ موٹ بنا لیا ہے (اے رسولؐ) تم کہو کہ (اچھا) تو تم (اگر اپنے دعوے میں) سچے ہو تو (بھلا) ایک سورت اس کے برابر کی بنا لاؤ۔ اور خدا کے سوا جس کو تمھیں (مدد کے واسطے) بلاتے بن پڑے، بلا لو (یہ لوگ لاتے تو کیا) بلکہ (الٹے) جس کے جاننے پر ان کا دسترس نہ ہوا لگے اس کو جھٹلانے، حالانکہ ابھی تک ان کے ذہن میں اس کے معانی نہیں آتے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلاغت کے ساتھ مقابلے کی دعوت ہے۔ یہ بات عربوں کی حالت سے ظاہر ہے۔ کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ بلاغت کے اس مقام پر پہنچے ہوئے تھے جہاں کوئی نہ پہنچ سکا مقابلے کی دعوت ان مشرکوں کے لیے تھی جو اس صحیح دین کے ساتھ مزاحمت کرتے تھے۔ اس تحدی کا تھوڑا سا حصہ ہی تحریک دلانے کے لیے کافی تھا، کیونکہ وہ حمیت اور عصبیت میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ ان کا دین ہی تفاخر تھا۔ لیکن انھوں نے اس دعوت کے مقابلے میں راہِ فرار اختیار کی، حالانکہ مقابلے کی دعوت کو تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا اور اس کی مدت بھی بڑھا دی گئی، لیکن انھوں نے استخفا اور فرار کی راہ کو اختیار کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ (ہود: ۵)

(اے رسولؐ) یہ کفار (تمھاری عداوت میں) اپنے سینوں کو گویا دہرا کیے ڈالتے ہیں تاکہ خدا سے (اپنی باتوں کو) چھپائے رہیں (مگر) دیکھو جب یہ لوگ اپنے کپڑے خوب لپیٹتے ہیں (تب بھی تو) خدا ان کی باتوں کو جانتا ہے جو چھپا کر کرتے ہیں اور کھلم کھلا کرتے ہیں۔

اس تحدی (دعوتِ مقابلہ) کو تقریباً چودہ صدیاں گزر چکی ہیں، لیکن یہ ہمیشہ سے قائم ہے۔ کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کرسکا، جس نے اس سلسلے میں کوشش کی، اس کو رسوائی کے سوا کچھ نہ ملا اور اس کی جہالت ہی کا اظہار ہوا[۱۰]

فصاحت کے بارے میں اصمعی کی حکایت

اصمعی بیان کرتا ہے کہ ایک لڑکی نے یہ شعر پڑھے:

أَسْتَغْفِرُ اللهَ لِذَنْبِي كُلِّهِ ۔۔۔ قَتَلْتُ إِنْسَانًا لِغَيْرِ حِلِّهِ

مِثْلَ غَزَالٍ نَاعِمٍ فِي دَلِّهِ ۔۔۔ فَانْتَصَفَ اللَّيْلُ وَلَمْ أُصَلِّهِ

میں نے کہا سبحان اللہ کیا خوب فصاحت ہے۔ لڑکی نے کہا کہ اس آیت کے بعد کون سی فصاحت باقی رہ گئی ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ○ (القصص: ۷)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے پاس یہ وحی بھیجی کہ تم اس کو دودھ پلالو۔ پھر جب اس کی نسبت تم کو کوئی خوف ہو تو اس کو (ایک صندوق میں رکھ کر) دریا میں ڈال دو اور (اس پر) تم کچھ نہ ڈرنا اور نہ کڑھنا (تم اطمینان رکھو) ہم اس کو پھر تمھارے پاس پہنچادیں گے اور اس کو اپنا رسول بنائیں گے۔

اس ایک آیت میں دو امر، دو نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں جمع کردی ہیں[۱۱]

---

[۱۰] ایضاً، ص ۱۲۴-۱۲۵

[۱۱] محمد سبطین-جواہر العرفان-البرہان، ج ۱۵، شمارہ ۲ (۱۵ جنوری ۱۹۳۶) ص ۱۲

ابن ابی العوجا اور اس کے رفقا کا واقعہ

جن لوگوں نے فصاحت و بلاغت کی وجہ سے قرآن کی دعوتِ مقابلہ کے جواب میں اس کا مثل لانے کی کوشش کی ان میں ابن ابی العوجا اور اس کے تین ساتھیوں ابو شاکر دیصانی، ابن مقفع اور عبدالملک بصیری کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ یہ ملحدین میں سے تھے۔ چاروں کعبے کے پاس (حج کے زمانے میں) اکٹھے ہوئے۔ حاجیوں پر ہنس رہے تھے اور قرآن پر اعتراض کر رہے تھے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ قرآن کے چار حصے کر لیے جائیں اور ان میں سے ہر ایک قرآن کے ایک ایک حصے کا جواب لکھے اور آئندہ سال موسم حج میں مسلمانوں پر پیش کر دے۔ تمام سال کوشش کرتے رہے کہ رد لکھیں مگر کچھ نہ ہو سکا۔ آئندہ سال اکٹھے ہوئے تو ابن ابی العوجا نے کہا جس دن سے یہاں سے گیا ہوں، آج تک اس آیت کو سوچ رہا ہوں۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ط (یوسف: ۸۰)

(پھر جب یوسف کی طرف سے مایوس ہوئے تو باہم مشورہ کرنے کے لیے الگ کھڑے ہوئے)۔

ہر چند کوشش کی کہ ایسی آیت بناؤں مگر نہ بن سکی اور تمام سال اسی آیت میں ایسا مشغول رہا کہ دوسری آیات پر غور کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔

عبدالملک نے کہا کہ میں اسی دن سے اس آیت پر غور کر رہا ہوں:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ط (الحج: ۷۳)

(جن لوگوں کو تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو وہ اگرچہ سب کے سب اس کام کے لیے اکٹھے بھی ہو جائیں تو بھی ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے)۔

ابو شاکر نے کہا میں اسی وقت سے اس آیت کو سوچ رہا ہوں:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ج (الانبیا: ۲۲)

(یعنی (بفرض محال) زمین و آسمان میں خدا کے سوا چند معبود ہوتے تو دونوں برباد ہو گئے ہوتے)۔

ابن مقفع نے جو اس زمانے میں سب سے فصیح مانا جاتا تھا کہا کہ قرآن بشر کا کلام نہیں۔ میں اسی دن سے اس آیت میں غور کر رہا ہوں:

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ (ہود: ۴۴)

(اور جب خدا کی طرف سے) حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی جذب کرلے اور اے آسمان (برسنے سے تھم جا) اور پانی گھٹ گیا اور (لوگوں کا) کام تمام کر دیا گیا اور کشتی جودی (پہاڑ) پر جا ٹھہری اور (چاروں طرف) پکار دیا گیا کہ ظالم لوگوں کو (خدا کی رحمت سے) دوری ہو)۔

اس (ابن مقنع) نے کہا کہ میری فکرِ رسا آج تک ان حقائق تک نہ پہنچ سکی جو اس آیت میں مندرج ہیں۔ ہشام (راوی حدیث) بیان کرتے ہیں کہ اس اثنا میں جب کہ یہ لوگ باتیں کر رہے تھے، حضرت صادق آلِ محمد وہاں گزرے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۸۸)[۲۲]

(و) قوتِ تاثیر

قرآنِ عزیز کی قوتِ تاثیر بھی وجوہِ اعجاز میں سے ہے۔ قرآن کے علاوہ کسی کلام میں نظم ہو یا نثر یہ تاثیر، یہ حلاوت و شیرینی اور یہ شوکت و دبدبہ نہیں پایا جاتا۔

ولید بن مغیرہ مکے کا رئیس تھا۔ اس نے آنحضرت کو یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ، (بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے)، پڑھتے ہوئے سن کر کہا: اس بیان میں شیرینی اور حلاوت ہے۔ اس کا زیریں حصہ پانی میں ڈوبا ہوا ہے اور بالائی حصہ پھلوں سے لدا ہوا ہے اور یہ انسان کا کلام نہیں۔

جب عتبہ بن ربیعہ حضور علیہ السلام کے پاس آیا تو آپ نے سورہ حٰم السجدہ پڑھنا شروع کی۔ جب اس نے آیت:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ط (حٰم السجدہ: ۱۳)

(یعنی پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو کہہ دو کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد اور ثمود پر آفت آئی تھی)۔

سنی تو اس نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ خدا کے لیے بس کیجیے۔ مجھ میں اس سے آگے سننے کی تاب نہیں۔ عتبہ واپس چلا گیا۔ جب اس کے ساتھی اس کے پاس آئے تو کہنے لگا، بخدا اس (پیغمبر) نے ایسا کلام پڑھا ہے کہ آج تک میرے کان میں نہیں پڑا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کلام کا کیا نام لوں؟

---

[۲۲] ایضاً، ص ۱۱

جبیر بن مطعم نے جب حضور کو سورہ طور کی یہ آیت پڑھتے سنا کہ اِنَّ عذابَ ربِّکَ لَوَاقِعٌ تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ عذاب کی لپیٹ میں آگیا ہو، چنانچہ اس نے (اسی وقت) اسلام قبول کر لیا۔[۵۲۳]

چار قسم کا دعویٰ

قرآن نے چار قسم کا دعویٰ کیا ہے کہ اس کا پورا مثل بنا لائیں۔ ایسی دس سورتیں بنا لائیں۔ ایسی ایک سورت ہی بنا لائیں۔ ایسی ایک آیت اور ایک بات ہی بنا لائیں۔ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ۝ (الطور: ۳۴)[۵۲۴] آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے:

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ (البقرہ: ۲۳، ۲۴)

اور اگر تم لوگ اس کلام سے جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا ہے، شک میں پڑے ہو، پس اگر تم سچے ہو تو تم (بھی) ایک ایسا سورہ بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو (بھی) بلا لو۔ پس اگر تم یہ نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو، جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اعجاز کا باعث تصرف نہیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کا اعجاز تصرف کی وجہ سے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو قرآن کی مثل لانے سے روک دیا ہے، ورنہ قرآن اپنی ذات کے اعتبار سے معجزہ نہیں ہے۔ اللہ نے یہ تصرف اس لیے کیا ہے کہ مقام نبوت و رسالت کا تحفظ کیا جا سکے۔ تاہم ان لوگوں کے نزدیک قرآن معجزہ ہی ہے، لیکن اس کا اعجاز اور لوگوں کی اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کی عدم استطاعت اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے (ان کو اپنی قدرت سے) روک رکھا ہے۔ ان کے نزدیک یہ اس وجہ سے معجزہ نہیں ہے کہ اس کلام کی حد تک کوئی شخص پہنچ نہیں سکتا۔ انسانی طاقت سے بلند و بالا ہے۔

---

۵۲۳ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ ج ۱/۱۶، ص ۴۷۴

۵۲۴ محمد سبطین۔ جواہر العرفان۔ البرہان، ج ۱۵، شمارہ ۲ (۱۵ جنوری ۱۹۳۶)

اس دعوے کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں، کیوں کہ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول موجود ہے:

قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ (ہود: ۱۳)

کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو بنا لیا ہے، تم یہ کہہ دو کہ ایسی سی بنی ہوئی دس سورتیں تم بھی لے آؤ اور اگر تم سچے ہو تو اللہ کے سوا تم جن جن کو بلا سکتے ہو بلا لو۔ پھر اگر وہ تمھارے کہنے کو منظور نہ کریں تو سمجھ لو کہ جو کچھ نازل کیا گیا ہے، خدا کے علم سے نازل کیا گیا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ آخری جملہ بہت ظاہر ہے کہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے، کسی اور کی طرف سے ہرگز نہیں اُتارا گیا، جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ۝ وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ۝ (الشعرا: ۲۱۰ تا ۲۱۲)

اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نازل نہیں ہوتے اور یہ کام نہ ان کے لیے مناسب تھا اور نہ وہ کر سکتے تھے۔ بلکہ وہ تو (وحی کے) سننے سے محروم ہیں۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ (النسا: ۸۲)

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کر سکتے اور (یہ خیال نہیں کرتے کہ) اگر خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا تو ضرور اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور یہ ایسا کلام ہے جس کی مثل لانے سے لوگ عاجز ہیں اور یہ ایک عدیم المثال اور عظیم الشان معجزہ ہے۔

کتابیات

۱۔ الاعشیٰ، میمون بن قیس۔ دیوان۔ شرح و تعلیق محمد حسین۔ مکتبۃ الآداب (۱۹۵۰ء)

۲۔ الباقلانی، ابوبکر محمد بن الطیب۔ اعجاز القرآن۔ شرح و تعلیق محمد عبدالمنعم خفاجی قاہرہ۔ محمد علی صبیح، ۱۹۵۱ء

۳۔ حالی، الطاف حسین۔ مسدس۔ علی گڑھ، محمڈن پریس، ۱۲۹۶ھ

۴ - زبید احمد - ادب العرب - بریلی، نور بک ڈپو، ۱۹۲۶ء

۵ - زیات، احمد حسن - تاریخ ادب عربی، ترجمہ عبدالرحمٰن طاہر سورتی - لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز - ۱۹۶۱ء

۶ - جمیل احمد رضوی - "قرآن معجزۂ رسالت ہے" معارف اسلام، جلد ۲۰، شمارہ ۱ (اپریل ۱۹۷۴ء)، ص ۲۳ - ۳۱ -

۷ - علی نقی - شہید انسانیت - لکھنؤ، کتاب گھر (س ن)

۸ - قرآن - القرآن الحکیم، ترجمہ فرمان علی - لاہور، شیخ محمد حسین اینڈ سنز (س - ن)

۹ - محمد حسین الطباطبائی "الاعجاز فی القرآن الکریم"، عرض و تلخیص حسین الکورانی - الہادی (مجلہ) جلد ۳، شمارہ ۱ - ص ۶۹ - ۸۰ -

۱۰ - ایضاً، جلد ۳، شمارہ ۴، ص ۱۱۶ - ۱۲۸

۱۱ - محمد سبطین "جواہر العرفان" - البرہان، جلد ۱۵، شمارہ ۱ - (۱۵ دسمبر ۱۹۳۵ء) ص ۱ - ۸

۱۲ - عبدالباقی، محمد فواد - "المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم" - قاہرہ، دار الکتب المصریہ - ۱۳۶۴ھ

۱۳ - محمد مہدی - لوائح الاحزان - لاہور، شیعہ جنرل بک ایجنسی (س - ن)، جلد دوم -

۱۴ - Quran : The Holy Quran, with English translation of The Arabic text and Commentary by S.V. Mir Ahmad Ali: Karachi, Muhammad Khaleel Shirazi, 1964.

اسلام کا نظریۂ تاریخ : از مولانا محمد مظہر الدین صدیقی

اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے پیش کردہ اصول تاریخ صرف گزشتہ اقوام کے لیے ہی نہیں بلکہ موجودہ قوموں کے لیے بھی بصیرت افروز ہیں -

صفحات : ۲۱۶ قیمت : -/۱۲ روپے

ملنے کا پتا :- ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور -